پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1071
بدھ 7 جمادی الاوّل 1445ھ مطابق 22 نومبر 2023ء

واپس آؤ!

جبالیہ، ریاض اور
لاہور تین بھائی!

چنگاری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

القرآن

وسیع وعریض جنت کی ترغیب

اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(سورۂ آلِ عمران: آیات 132، 133)

الحدیث

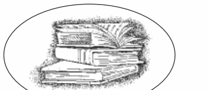

جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک اونٹنی پیش کی، اونٹنی کی مہار آپ کے دستِ مبارک میں تھماتے ہوئے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹنی کے عوض خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا: ''روزِ قیامت اِس کے بدلے میں تمھیں سو اونٹنیاں ملیں گی۔''

(بخاری)

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

ظہورِ مہدی:

سوال: حضرت مہدی کا تعلق کس گھرانے سے ہوگا؟ کب ظاہر ہوں گے؟ اور دنیا میں آ کر کیا کریں گے؟

(عشرت حمید۔ لانڈھی کراچی)

جواب: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ لکھتے ہیں: حضرت امام مہدی قیامت سے پہلے بلکہ نزولِ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور خروج دجال اور فتنۂ یاجوج ماجوج ودابۃ الارض وطلوع شمس من المغرب وغیرہ سے پہلے ظاہر ہوں گے اور دنیا میں مذہب اسلام کی تقویت کا باعث ہوں گے۔ وہ اس وقت ظہور فرمائیں گے جب کہ دنیا ظلم وستم سے بھری ہوگی، ان کی وجہ سے دنیا عدل وانصاف اور دین وایمان سے بھر جائے گی۔ ان کا اور ان کے والدین کا نام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور آپ کی والدین کے نام کے مطابق ہوگا۔ صورت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت کے مشابہ ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اولاد سے ہوں گے۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسل میں سے۔ مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوں گے۔ اوّل جو جماعت اُن کے ہاتھ پر بیعت کرے گی، وہ تین سو تیرہ آدمی ہوں گے۔ حسب عدد اصحاب بدر واصحاب طالوت۔ لوگوں میں یکبارگی انقلاب پیدا ہوگا۔ حجاز کی اصلاح کے بعد شام اور فلسطین وغیرہ کی اصلاح کریں گے۔ دارالسلطنت بیت المقدس ہوگا۔ اُن کی حکومت پانچ یا سات یا نو برس ہوگی۔ اِس بارے میں صحیح روایتیں تقریباً چالیس میری نظر سے گزری ہیں اور حسن وضعیف بہت زیادہ ہیں۔ ترمذی شریف، مستدرک حاکم، ابوداؤد، مسلم شریف وغیرہ میں یہ روایات موجود ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر قیامت آنے میں صرف ایک دن باقی رہ جائے، تب بھی اللہ تعالیٰ مہدی کو ضرور ظاہر فرمائیں گے اور قیامت ان کے بعد لائیں گے، لہٰذا اس میں بجز تسلیم کوئی چارہ نہیں۔ بہت سے جھوٹوں نے اب تک مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر کسی میں یہ علامتیں نہیں پائی گئیں جو مہدی موعود کے متعلق ذکر کی گئی ہیں۔

(قیامت سے پہلے کیا ہوگا ۱۰۶)

وقت معلوم کی تفسیر:

سوال: سورۂ اعراف آیت ۱۵ میں ہے کہ ابلیس کو وقتِ معلوم تک مہلت دی گئی، اس ''وقتِ معلوم'' سے مراد کون سا وقت ہے؟ [ایضاً]

جواب: وقت معلوم کا ذکر سورۂ حجر آیت ۳۸ اور سورۂ ص آیت ۸۱ میں ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ چنانچہ ابلیس کی دعا میں تصریح ہے: انظرنی الی یوم یبعثون! یعنی مجھے اُس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

تعویذ کا حکم:

سوال: تعویذوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ ان کا لکھنا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ رسول اللہ کے متعلق تو کہیں منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعویذ دیا ہو، نہ ہی صحابۂ کرام کے متعلق کوئی روایت ملتی ہے۔ [ایضاً]

جواب: تعویذ میں درج کلمات اگر معانی کے لحاظ سے صحیح ہیں تو تعویذ باندھنا جائز اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یعلمهم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات اللہ التامة من غضبه وشر عباده ومن همزات الشیاطین وان یحضرون وکان عبداللہ بن عمرو یعلمهن من عقل من بنیه ومن لم یعقل کتبه فاعلقه علیه [سنن ابی داؤد]

فاعلقه علیه ای علقه فی عنقه فیه دلیل علی جواز کتابة التعاویذ والرقی وتعلیقها۔ [بذل المجهود ۵/۱۰]

تاہم دعا تعویذ سے بہت زیادہ اہم چیز ہے، اِس لیے امراض کے لیے دعا و دوا کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ تعویذ صرف جائز ہے، جب کہ دوا اور دعا سنت ہے۔ حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امراض وپریشانیاں دور ہونے کی کل تین تدبیریں ہیں۔ دوا، دعا، تعویذ۔ پہلی دو تو ضرور کرو اور تیسری کبھی کبھی۔ بعض امراض میں کرلو تو مضائقہ نہیں۔ یہ نہ کرو کہ دوا اور تعویذ پر اکتفا کرلو اور دعا کو بالکل چھوڑ دو۔

(عملیات وتعویذات کے شرعی احکام ۲۱)

آئینہ گفتار

جبالیہ، ریاض اور لاہور تین بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جمعرات ۲ نومبر کو ایک روح فرسا خبر آئی کہ غزہ کے پناہ گزین کیمپ جبالیہ میں بنی عزازیل نے عام شہریوں پر بدترین وحشیانہ بمباری کی ہے، جس میں اطلاعات کے مطابق خواتین اور بچوں کی بڑی تعداد شہید ہوئی ہے......!

اگر آپ کو ایک پناہ گزیں کیمپ پر اِس درندگی پر حیرت ہوئی ہے تو پھر آپ شاید بنی عزازیل کے ایسے ''کارناموں'' سے واقف نہیں ہیں۔ وہ تو پچھلے ایک ماہ میں باقاعدہ ہدف بنا کر اسپتالوں، اسکولوں اور مسجدوں کو بھی بمباری کا نشانہ بنا چکے ہیں۔

سو اس بات پر کسی کا حیران ہونا بنتا نہیں ہے۔ بھئی وہ بنی اسماعیل تھوڑا ہی ہیں جو میدانِ جنگ میں بھی اخلاقیات کا دامن نہ چھوڑیں۔ وہ جو عین جنگ کے دوران میں بھی بچوں اور خواتین کو، اطباء، نرسوں، خدمت گاروں اور کھانا پکانے والوں کو، بیمار، زخمی، اندھے، معذور، مجنون، سیاح، بوڑھوں، خانقاہ نشینوں اور حتیٰ کہ مندروں کے مجاوروں کو بھی قتل نہیں کرتے۔

الحمدللہ! مسلمانوں کی زرّیں تاریخ ایسی روشن مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

میدانِ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کی لاش دیکھتے ہیں تو ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں کہ یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی!

عرب میں قاعدہ تھا کہ رات کے آخری حصے میں جب لوگ سو رہے ہوتے، اچانک حملہ کر دیتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دشمن پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہوتی حملہ نہ کرتے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدانِ جنگ میں بھی جس میں ہر بات جائز سمجھی جاتی ہے، بدعہدی کرنے سے منع فرمایا۔ آپ نے قتال کے بعد نعش کا مثلہ کرنے سے اور اسیرانِ جنگ اور سفرا کا، معاہدین اور مجروحینِ جنگ کا، نیز غیر اہلِ قتال کا قتل ممنوع فرمایا۔ آپ نے اعضا کی قطع و برید کو، فصلوں، درختوں اور انسانوں کے جلائے جانے کو، لوٹ مار، بدعہدی و پیمان شکنی کو، فوجوں کی پراگندگی و بدنظمی اور شورش کو آئینِ جنگ کے خلاف قرار دیا، اور یوں مسلمانوں کے لیے جنگ صرف ایک ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر مسلمان، دشمنِ خدا کی بھی عصمت اور انسانی شرف کی حفاظت کرتے ہوئے اُس کے شر اور ظلم سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لیے اس پر ہتھیار اٹھاتا ہے، چہ جائیکہ اُن کے بچوں اور عورتوں پر ظلم ڈھائے۔

صرف اسی ایک بات یعنی اسلامی جنگی اخلاقیات پر غور کرلیا جائے اور اُس کا موازنہ دنیا کے کسی بھی مذہب سے کرلیا جائے تو ایک منصف مزاج غیر مسلم ضرور مسلمان ہوجائے۔

غور تو کیجیے کہ حربی کافر کی عزت کا بھی ایسا خیال کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک جنگ میں ایک مبارز کو انجام تک پہنچایا تو اس کی تلوار، ڈھال اور زرہ لیے بغیر خالی ہاتھ لوٹے۔ پوچھنے پر بتایا کہ اُس کی شرم گاہ کھل گئی تھی، میں شرم کے مارے سب کچھ چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

اور اخلاص کا ایسا حال کہ انہی شیر خدا کا مشہور واقعہ ہے کہ اپنے طاقت ور حریف کو جب پچھاڑ دیا تو اپنا انجام دیکھ کر اس نے نفرت سے آپ پر تھوک دیا۔ آپ نے فوراً اسے چھوڑ دیا کہ ذاتی انتقام کا شائبہ تک نہ رہے۔

کیا مکار بنی عزازیل اور اُن کے دنیا بھر میں ہم نوا میدانِ جنگ میں ایسی روشن اخلاقیات کا کوئی ادنیٰ سا نمونہ بھی پیش کر سکتے ہیں......؟ کرہی نہ دیں!

اُن کی تو جنگی تاریخ کمزوروں، بوڑھوں، بیماروں، عورتوں حتیٰ کہ پھول سے معصوم بچوں کو بھی وحشیانہ قتل کرنے سے بھری پڑی ہے۔ ارے تاریخ چھوڑیے، اِس حوالے سے گزرا صرف ایک ماہ اُن کے منحوس چہروں پر ایسی کالک مل گیا ہے کہ دنیا کے ہر دیدہ ور کو صاف نظر آتی ہے۔

جی ہاں! صرف ایک مہینے سے جاری اِس جنگ میں نو ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوئے ہیں، جن میں آدھی سے زیادہ تعداد بچوں اور اُن کی ماؤں بہنوں کی ہے......!

تادمِ تحریر نو ہزار سے زائد شہادتوں میں سے ستر فیصد تعداد معصوم بچوں اور خواتین کی ہے، جبکہ باقی تیس فیصد مرد شہداء میں سے بھی نصف ہی اہل قتال ہیں، باقی بوڑھے اور بیمار شہری ہیں۔ گویا اب تک چار ہزار سے زیادہ بچے اور دو ہزار سے زیادہ اُن کی مائیں، بہنیں، خالائیں اور نانی دادیاں اللہ تعالیٰ کے مہمان خانے کی مہمان بننے کی سعادت حاصل کر چکی ہیں۔

اور خصوصاً جبالیہ کیمپ میں تو وہ وحشیانہ بمباری ہوئی ہے کہ سنا ہے سعودی عرب نے بھی اپنے ہاں جاری موسیقی کے عالمی میلے سے سر نکال کر اُس کی مذمت فرمادی ہے!

اور کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت سعودیہ میں کیا ہو رہا ہے؟

سعودی عرب نے حدیث مبارکہ ''مسلمان بھائی بھائی ہیں'' کے تحت بنی عزازیل کے مظالم کی مذمت کرنے اور اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں سے اظہارِ یکجہتی کا ایک انوکھا طرز یہ نکالا ہے کہ یکم نومبر سے اپنے دارالحکومت ریاض میں رقص وسرود سے بھرپور ایک عالمی تفریحی میلہ شروع کیا ہے، جس میں دنیا بھر سے شوبز کی مشہور شخصیات شرکت کر رہی ہیں۔ ان میں کوئی بلبلِ زمانہ عربوں کے سامنے نغمہ سرا ہوگی تو کوئی مہ پارہ اپنی آواز کا جادو جگانے کے ساتھ ساتھ اپنے شعلہ بدن کی شاعری بھی فرمائے گی۔

اتفاق دیکھیے، پاکستان میں بھی فلسطین میں جاری مظالم کی مذمت کا یہی سعودی انداز اپنایا گیا۔ پہلے ہمارے وزیر اعظم نے فلسطین پر ہونے والے مظالم کی مذمت کی، جس سے متاثر ہو کر نگران وزیر اعلیٰ پنجاب نے فوراً ''لہور لہورائے'' کے عنوان سے پندرہ روزہ ثقافتی میلے کا اعلان کر دیا، تاکہ دنیا کو ہماری طرف سے ایک واضح پیغام جائے!

سنا ہے اِس مذمتی رونق میلے میں مزیدار اور چٹخارے دار روایتی لاہوری کھانے، میلے ٹھیلے، رات گئے تک جاری رہنے والا ناچ گانا ہوگا......!

بہرحال ایک بار پھر ثابت ہوا کہ مسلمان کو مسلمان سے کوئی جدا نہیں کرسکتا، سوائے جبالیہ! تُو تنہا نہیں ہے، ریاض اور لاہور تیرے بھائی تیرے ساتھ ہی کھڑے ہیں، اگرچہ ذرا رُخ موڑ کے!

علامہ اقبال رحمہ اللہ سے معذرت کے ساتھ

''ایک'' ہیں مسلم ''غزہ'' کی پاسبانی کے لیے
''جدہ'' کے ساحل سے لے کر مسندِ ''لاہور'' تک

والسلام
مدیر مسئول محمد فیصل شہزاد

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد
مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان
مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرِتعاون: اندرونِ ملک 1500 روپے، بیرونِ ملک ایک میگزین 22000 روپے، دو میگزین 25000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

چنگاری

ام محمد سلمان

وہ کافی دیر سے میرے پاس بیٹھی تھی۔ حالات حاضرہ پر گفتگو کرنے کا بہت شوق تھا اسے۔ فلسطین کی موجودہ صورت حال پر بھی بات ہوئی۔ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور پھر وہ اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کرنے لگی۔

’’بس کیا بتاؤں کتنے مسئلے ہیں زندگی میں؟ ایک طرف بڑے بیٹے کی نوکری چھوٹ گئی تو ویسے ہی خرچے میں تنگی ہو رہی ہے، دوسری طرف چھوٹا بیٹا مستقل ضد کیے جا رہا ہے کہ سائیکل دلا دو۔ کتنی بار سمجھا دیا مگر سمجھتا ہی نہیں۔ ہر دو دن بعد پھر سائیکل کا دُکھڑا لے کر بیٹھ جاتا ہے۔‘‘

میں نے اسے تسلی دی۔ ’’اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کردے گا، فکر نہ کرو، اللہ پر بھروسا رکھو۔‘‘

’’ہاں بس اللہ ہی پر بھروسا ہے جو زندگی کے دن کٹ رہے ہیں، ورنہ کب کے ہمت ہار گئے ہوتے۔ مکان بھی کرائے کا ہے۔ ہر مہینے کرایہ کسی تلوار کی طرح سر پر لٹک جاتا ہے، اور یہ دیکھو۔‘‘ اُس نے اپنا پیر آگے کیا۔ ’’یہ زخم چھ مہینے سے ٹھیک ہونے میں نہیں آ رہا۔ سرکاری اسپتال سے باقاعدگی سے دوا لے رہی ہوں، پٹیاں بھی کروا رہی ہوں لیکن معمولی سا فرق پڑا ہے بس، نجانے کب ٹھیک ہوگا؟‘‘

وہ فکرمند اور دلگیر سے لہجے میں بولی۔

مجھے اس کا زخم دیکھ کر واقعی صدمہ ہوا۔ دل سے دعا نکلی کہ اللہ کریم اس کی ساری پریشانیاں دور کردے۔ بے چاری آئے دن کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار رہتی ہے۔

پھر یوں ہی ایک خیال ذہن میں آیا تو اس سے پوچھ بیٹھی:

’’اچھا ایک بات بتاؤ، اگر ابھی اسی وقت کوئی تم سے پوچھے کہ تمھاری کوئی ایک خواہش، کوئی ایک تمنا اسی وقت پوری کردی جائے گی تو بتاؤ کیا تم کیا مانگو گی......؟‘‘

وہ بغیر سوچے سمجھے فوراً ہی بول پڑی۔

’’میں چاہتی ہوں کہ اسرائیل کو عبرت ناک شکست ہو، فلسطین کو شاندار فتح نصیب ہو، میرا پروردگار بس یہ ایک خواہش، ایک تمنا، ایک حسرت پوری کردے، میں ان منحوس صہیونیوں کو سسکتے تڑپتے دیکھوں جنھوں نے مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر رکھا ہے، جنھوں نے غزہ میں بمباری کرکے معصوم جانوں کو تڑپایا ہے، جنھوں نیمیرے بہن بھائیوں کو زنداں میں قید کر رکھا ہے، جنھوں نے ظلم کی انتہا کردی ہے۔ بس ایک بار بس ایک بار......!‘‘

اُس نے شدت جذبات سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

مجھے اس کے شوق، اس کے جذبے نے حیران کردیا۔ میرا خیال تھا وہ اپنی پریشانیوں میں سے کسی ایک سے تو ضرور ہی چھٹکارا پانا چاہے گی لیکن اُس کی تو خواہش ہی نرالی تھی۔ میں نے پوچھ ہی لیا: ’’تمھارے اپنے اتنے مسائل ہیں اور تمھاری سوچ فلسطین اور مسجد اقصیٰ کا طواف کر رہی ہے!‘‘

وہ جھٹ سے بولی: ’’میرے مسائل مجھ اکیلی کے مسائل ہیں اور وہ بھی کوئی اتنے بڑے مسئلے نہیں ہیں۔ یہ تو چھوٹی موٹی پریشانیاں ہیں جو مجھے اللہ میاں سے قریب کیے رکھتی ہیں۔ اللہ جب چاہے انھیں دور کردے۔ بس کبھی کبھی ذہن پر بہت دباؤ ہو تو آ کر تم سے کہہ دیتی ہوں کہ بوجھ بڑھ جائے تو بانٹ لینا چاہیے۔ تم دو لفظ تسلی کے کہہ دیتی ہو تو سکون سا مل جاتا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ آئے دن بیت المقدس پر صہیونیوں کے حملے اور اس وقت جو فلسطین میں جنگ کا سماں ہے اُس نے میرا سکھ چین اُڑا رکھا ہے۔ ہم چاہ کر بھی ان کے لیے کچھ نہیں کر پاتے۔ ہم قیامت کے دن اپنے ان مظلوم بہن بھائیوں کا کیسے سامنا کریں گے؟ ہم اللہ میاں کو ان سوالوں کا کیا جواب دیں گے کہ مسجد اقصیٰ ظالموں کے قبضے میں تھی اور تم چین سے اپنے گھروں میں بیٹھے مرغن کھانے کھا رہے تھے، چائے پی رہے تھے، دھوم دھام سے شادی بیاہ کر رہے تھے، کاروبار چل رہے تھے، تمھاری زندگیوں پر تو کچھ بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ تمھاری راتوں کی نیندیں اڑیں نہ بھوک پیاس پر ہی کچھ اثر پڑا، تب ہم کیا جواب دیں گے اس پاک ذات کو؟‘‘

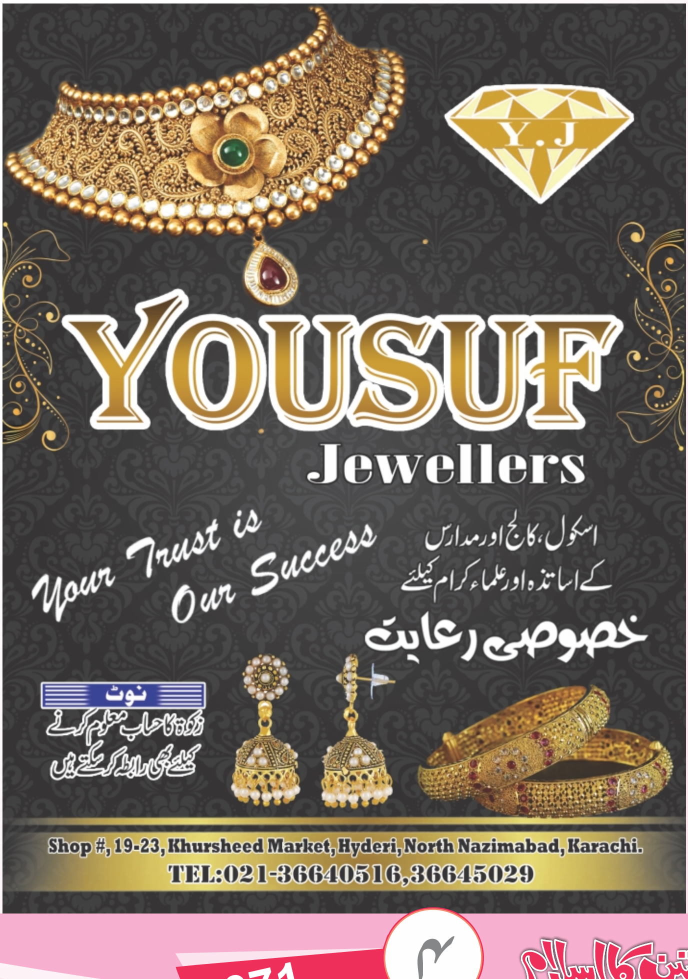

اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا، مگر میرے پاس سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں تھا۔

’’ہم سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا، ہم تو بڑے ہی نا کارہ ہیں۔‘‘

وہ اپنی بات کا خود ہی جواب دینے لگی: ’’بس کبھی کبھی نمازوں میں دعا مانگتے ہوئے بے بسی سے رو پڑتی ہوں۔ یہ میرے پاؤں کا زخم دُکھتا ہے تو مجھے اُن کے کٹے پھٹے اعضا یاد آتے ہیں اور میں تڑپ جاتی ہوں، لیکن میں کیا کروں؟ میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتی اُن کے لیے۔‘‘

آنسو اچانک ہی اُس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر بہ نکلے۔

اور میرے پاس کیا ہے دینے کو
دیکھ کر تجھ کو روئے دیتی ہوں

درد سے ڈوبے لہجے میں اُس نے یہ شعر پڑھا، پھر کہنے لگی، قیامت کے دن اللہ میاں نے مجھ سے پوچھ لیا تو اتنا تو بتا سکوں گی اے میرے پروردگار! اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کے مطابق میں امت مسلمہ کے درد کو محسوس کرنے کی کوشش تو کرتی تھی، جیسا کہ انھوں نے فرمایا تھا:

’مومنوں کی مثال تو ایک جسم کی طرح ہے، جب کسی ایک عضو میں تکلیف ہو تو پورا جسم تڑپ اٹھتا ہے، بے آرام ہو جاتا ہے۔‘

میرے اختیار میں اتنا ہی ہے بس، میں اُن کے لیے روتی ہوں، سسکتی ہوں، دعائیں کرتی ہوں، میں اس ظلم کو روکنے کے لیے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتی، ہاں بے شک میں تلوار اور ہتھیار سے نہیں لڑ سکتی لیکن میں زبان سے اس ظلم کے خلاف بول تو سکتی ہوں، ایمان کا اتنا درجہ تو میرے پاس ہے کہ میں اس برائی کے خلاف علی الاعلان بول کر جہاد کر سکوں، فریاد کر سکوں، لوگوں کو بتا سکوں کہ میں ان سب ظالمانہ کارروائیوں کو دل سے برا سمجھتی ہوں۔ یہ بہت زیادتی ہے، یہ انتہائی ظلم ہے۔ میں دل سے اپنے فلسطینی بہن بھائیوں کے ساتھ ہوں۔ کاش کوئی جا کر انھیں بتائے کہ اے سرزمینِ فلسطین کے مظلوم اور مجاہد مسلمانو! ہم تمھارے لیے کتنے بے چین ہیں، ہم تم سے اظہارِ یک جہتی کرتے ہیں، ہم تم سے انتہائی محبت رکھتے ہیں، ہم تمھاری آزادی کے لیے روتے تڑپتے ہیں، تم پر ہوتا ظلم ہمارے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ ہم تمھاری برداشت، تمھاری ثابت قدمی اور تمھارے جذبۂ جہاد کو سلام پیش کرتے ہیں۔ ہم دل سے تمھارے ساتھ ہیں، ہماری دھڑکنیں تمھارے لیے ہیں، اگرچہ ہم عملی طور پر تمھارے لیے کچھ نہیں کر پا رہے مگر یقین رکھو ہمارے دل تمھارے ساتھ دھڑک رہے ہیں، ہم بس تمھیں تسلی ہی دے سکتے ہیں، فتح مگر ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور تمھارا مقدر بنے گی، تم

غازی بنو یا شہید، دونوں صورتوں میں جیت تمھاری ہے۔ ایک دن آئے گا کہ ظالم خود اپنے شکنجے میں کسا جائے گا۔ ہمارے رب کے وعدے سچے ہیں۔ وہ ظالم کو ڈھیل ضرور دیتا ہے مگر جب پھندا کستا ہے تو پھر اُس کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

و ذلِ اخذ ربِ اِذا اخذ القر و ھِی ظالِم، اِن اخذہ الِیم شدِید!

اور تیرے رب کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے کہ جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ بستی والے ظالم ہوں۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی شدید دردناک ہے۔''

وہ خاموش ہوئی تو میرے پاس بھی کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ویسے بھی سب کچھ تو اس نے کہہ ہی دیا تھا۔ میں تو بس اب یہ سوچ رہی تھی کہ اس ساری صورت حال میں میرا کیا کردار ہے؟ کسی بے جان ریت کی ڈھیری کی طرح ایک طرف پڑا ہوا یا پھر راکھ میں دبی چنگاری جیسا......؟

☆☆☆

نظر روشنی پر رہے!

قدسیہ جبیں

غزہ کی بستی میں ایک طرف خدائے واحد کے ماننے والے بے بس نفوس پر اِس وقت جو قیامت ڈھائی جا رہی ہے وہ ایسی دردناک ہے کہ دل پھٹ جائے مگر درد کم نہ ہو، جبکہ دوسری طرف مسلم حکمرانوں کی بے حسی۔

مگر یہ درد بہت قیمتی ہے۔ اسے ہمیں مل کر بانٹنا ہے، مل کر رونا ہے اور مل کر ہی اسے قوت بنانا ہے۔

اِس وقت اس درد کو کمزوری مت بنائیے، جو صرف فرسٹریشن میں نکل کر ختم ہو جائے بلکہ وہی قوت بنائیے جو مارشل آرٹس کا ایک اہم گر ہے۔ ٹھنڈے رہنا اور ساری ہمت اور قوت کو ایک جگہ جمع کر کے ایک ہی وار میں دوسرے کو چت کر دینا۔

یاد رکھنے کی چند باتیں ہمیں بار بار ایک دوسرے کو یاد کروانا ہیں:

۱۔ درد کی اِس شدید کیفیت میں ہمیں صبر، نماز اور دعا سے مدد لینا ہے۔ کیونکہ اِس وقت کی دعا دل سے نکل کر بلکہ اُڑ کر عرش پر پہنچ جاتی ہے۔

۲۔ یاد رکھنا اور ایک دوسرے کو یاد کروانا کہ ہم کمزور نہیں ہیں، ہمارے پاس اِس کائنات کا خالق ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اسی کے پاس طاقت کے تمام خزانے ہیں۔ وہ چاہے تو ایک لمحے میں ظلم کی بیخ کنی کر کے اسے اکھاڑ پھینکے لیکن اُس کی سنت ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ وہ انسانوں پر بڑی بڑی آزمائشوں کے ذریعے کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرتا ہے۔ اور اس بار بھی وہ یہی کر رہا ہے۔

أذ جَآءُوكُم مِّن فَوۡقِكُمۡ وَ مِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ وَ اِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَ بَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا۔

جب وہ اُوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

هُنَالِكَ ابۡتُلِيَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِيۡدًا۔

اُس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بُری طرح ہلا مارے گئے۔ (سورۃ الاحزاب)

اس لیے ہمیں ثابت قدمی سے اپنے آپ کو کھرے گروہ میں شامل رکھنا ہے اور یہ ثابت کرنے کے لیے ہمیں جاں گسل آزمائش سے ضرور گزرنا ہوگا۔ اس کیفیت میں ہمیں آواز اٹھاتے رہنا ہے، چاہے کوئی نہ سنے۔ دعا کرتے رہنا ہے چاہے فوری قبولیت کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ لوگوں کی درست بات کی جانب رہنمائی کرتے رہنا ہے، چاہے ایک بندہ بھی ہمارے ساتھ کھڑے نہ ہو، اور سب سے اہم قرآن سے تعلق رکھنا ہے، چاہے سن ہی لیں۔

بلاشبہ قتال بہت مشکل ہے لیکن صبر اُس سے زیادہ مشکل ہے۔

البتہ بے بسی ہمیں بار بار پریشان کر دیتی ہے، لیکن ہمیں اس کیفیت کا اسیر نہیں ہونا۔ ایک دوسرے سے کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیں لیکن براہِ کرم اپنا حوصلہ بلند رکھیں۔

کیا ہمیں اپنے رب پر بھروسا نہیں اور ان بھیڑیئے نما حکمرانوں کی قوت پر ہے؟ جو ہوا سے اِدھر اُدھر اڑتے سوکھے پتوں سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا لشکر بن جایئے ہر میدان میں۔ وہ یقیناً ہم سے وہی سوال پوچھے گا جس کے ہم مکلف ہیں۔ حقیر سے حقیر شے کو بھی اللہ نے چاہا تو میزائل سے زیادہ طاقتور بنا دے گا۔

کیا ننھے بچوں کا خون اللہ رائیگاں جانے دے گا؟

وہ جو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

نہیں، کبھی نہیں، یہ خون میزائل سے زیادہ قوت کا حامل ہے، یہ بہت بھاری پڑے گا ظالموں پر۔

تو قارئین! دن میں آدھا گھنٹہ صرف تنہائی میں دعا کے لیے رکھ لیجیے۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ بہت بڑا ہتھیار جس کی اثر انگیزی سے ہم واقف ہی نہیں۔

اور ہاں یاد رکھیں کہ بے شک دنیا کو ہیبت ناک خاموشی اور موت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے!

لیکن ایک بار پھر اصحاب الاخدود اور انبیاء کے وارثین اپنی گردنیں وار کر امر اور سر بلند ہو رہے ہیں۔ وہ ہر طرف روشنی ہی روشنی بکھیر رہے ہیں۔

سو ان شاء اللہ تعالیٰ روشنی کی یہ کرنیں عنقریب اِس مہیب تاریکی کو نگل لیں گی، پس ہماری نظر روشنی پر رہے اور ہم اس کے قریب ہونے کی جستجو میں لگے رہیں تو بیڑا پار ہی پار۔

تانیث

عربی الفاظ کی تانیث عموماً آخر میں ''ۃ'' بڑھانے سے بنتی ہے، جو اردو میں ''ہ'' پڑھی جاتی ہے جیسے سلطان سے سلطانہ، عاقل سے عاقلہ، سلیم سے سلیمہ، لیکن ہندی یا فارسی الفاظ کی تانیث میں یہ قاعدہ برتنا غلط ہے۔ جیسے خورشید سے ''خورشیدہ'' یا ہمیشر سے ''ہمشیرہ'' خورشید اور ہمشیر ہی صحیح لفظ ہیں۔

ہمشیر دودھ شریک بھائی یا بہن کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ عموماً بہن کے لیے مستعمل ہے۔ اس کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ ایک ماں کا دودھ پیتے ہوئے،

اسی طرح بعض لوگ بھاوج کو بھاوجہ کہتے ہیں حالاں کہ ''بھاوج'' خود مؤنث ہے۔

مرسلہ: افشاں سلمان

ام عبداللہ۔ احسن آباد، کراچی

والدین کی خدمت

آج کل دیکھا گیا ہے کہ اکثر پڑھی لکھی بہنیں خصوصاً بی اے، ایم اے، عالمات اور حافظات اور اعلیٰ یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی اپنے والدین، بزرگوں اور بہن بھائیوں کی خدمت نہیں کرتیں۔ اسی طرح شادی کے بعد بھی وہ خود کو والدین کی خدمت سے بری الذمہ سمجھتی ہیں کہ اب یہ تو بیٹے اور بہو کے ذمے ہے۔

ایسا بالکل نہیں ہے۔ بہو پر ذمے نہیں ہے اور بیٹے بیٹی دونوں کے ذمے ہے۔ ٹھیک ہے بیٹی دور ہے، لیکن وہ جتنا کرسکتی ہے، اتنا تو کرے۔

والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ والدین کی خدمت ساری نفل عبادتوں پر مقدم ہے، چنانچہ قرآن کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائیں چنانچہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت کی کہ والدین کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو''۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

''اگر تمھاری زندگی میں تمھارے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو پھر ان والدین کو کبھی اف بھی مت کہنا!''

اور بڑھاپے کا ذکر اس لیے کیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہوجاتے ہیں تو بڑھاپے کے اثر سے بعض اوقات ذہن نارمل نہیں رہتا اور اس کی وجہ سے بعض اوقات غیر ضروری باتوں پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ اس لیے خاص طور پر بڑھاپے کا ذکر کیا کہ چاہے ماں باپ وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو تمھارے خیال میں غلط اور ناحق ہی کیوں نہ ہوں لیکن تمھارا کام یہ ہے کہ انھیں ''اف'' بھی مت کہو اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا اور ان سے ہمیشہ عزت کے ساتھ بات کرنا اور آگے فرمایا کہ ''اور ان کے لیے اپنے کو نرمی کے ساتھ جھکا کے رکھنا، اور یہ کہتے (دعا مانگتے) رہنا کہ یااللہ! ان کے اوپر رحمت فرمایئے، جس طرح انھوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

یعنی بڑھاپے میں اگر ماں باپ کے مزاج میں ذرا سا چڑچڑا پن پیدا ہوگیا تو اس سے گھبرا کر ''اف'' بھی مت کہو، چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر کچھ کہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑا پن بھی پیدا ہوجائے گا، ان کی بہت سی باتیں ناگوار بھی معلوم ہوں گی، لیکن اس وقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمھارے بچپن میں اس سے کہیں زیادہ ناگوار باتیں تمھارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں، لہٰذا تمھیں بھی ان کی ناگوار باتوں کو برداشت کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو ان کے بارے میں بھی کہا گیا کہ اگر وہ تمھیں اللہ رب العزت کے ساتھ شرک پر مجبور کریں تو اس میں تو ان کی اطاعت مت کرنا لیکن عام زندگی کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک پھر بھی ضروری ہے۔

والدین کی اطاعت واجب ہے۔ اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض ہوتا ہے اور بالکل ایسا فرض ہوجاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے، بشرطیکہ ماں باپ جس کا حکم دے رہے ہوں وہ شرعاً جائز ہو اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو یہ ایسا گناہ ہے جیسا نماز چھوڑ دینا گناہ ہے۔

''عقوق الوالدین'' والدین کی ایسی نافرمانی اور انھیں ایسی اذیت پہنچانے کو کہتے ہیں جو اہل عقل و خرد کے یہاں معمولی نہ ہو، جیسے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو مارنا، گھر سے نکال باہر کرنا یا ان کے سامنے چیخ چیخ کر بولنا وغیرہ بھی عقوق میں شمار ہوں گے۔

اور بزرگوں نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک نوجوان صحابی کا ذکر کتابوں میں ہے کہ ان کی وفات کا وقت آیا اور نزع کی حالت طاری ہوگئی تو ان کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا تھا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ نوجوان کی والدہ اس سے ناراض ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدہ سے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ کیا کوئی تمھارے بیٹے کو آگ میں ڈالے تو تم اسے بچاؤ گی؟

ضعیف والدہ نے عرض کیا کہ ضرور۔

تو فرمایا کہ پھر اپنے بیٹے کا قصور معاف کردو۔

والدہ نے فوراً قصور معاف کردیا اور اُدھر بیٹے کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہوگیا اور وہ وفات پاگئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوگئے کہ آپ کا ایک ساتھی آپ کی وجہ سے جہنم سے بچ گیا۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ ایک صحابی رسول کا درجہ بعد کے تمام اولیاء کرام سے بڑھ کر ہوتا ہے، اگر ان سے والدہ کی بے اکرامی ہوگئی تو ان پر عتاب ہوا اور ایسا نہیں ہوا کہ سردار الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس وقت تشریف لے آئے تو آپ کی برکت سے معاملہ ٹھیک ہوگیا! نہیں بلکہ جب تک والدہ نے معاف نہیں کیا، کلمہ طیبہ صحابی رسول کی زبان پر بھی جاری نہیں ہوا۔

اِس سے اندازہ لگالیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا اور اُن کا دل دکھانا کتنی خطرناک چیز، اور وبال کا باعث ہے۔

آج کتنا ہی نیک پرہیزگار ہو، بہت بڑے شیخ کا مرید ہو، لیکن والدین کے حق میں کمی کوتاہی کرتا ہے، انھیں ناراض کرتا ہے تو انجام سوچ لے کہ کیا ہوگا؟

یاد رکھیے کہ جب تک والدین حیات ہیں، وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لیے ان سے بڑی نعمت کوئی اور نہیں، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ماں باپ کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھ لو تو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر وہ ان کی خدمت کرکے اپنے گناہ معاف نہ کرالے۔''

اِس لیے کسی کے ماں باپ حیات ہیں، بوڑھے ہیں، خدمت کے مستحق ہیں تو جنت حاصل کرنا اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، بس ذرا سی ان کی خدمت کرلو گے تو ان کے دل سے دعا نکل جائے گی اور تمھاری آخرت سنور جائے گی۔

☆☆☆

گزشتہ سے پیوستہ

بے مہر محبوبہ

حضرت مولانا انظر شاہ کاشمیری، حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند، دارالعلوم دیوبند وقف کے شیخ الحدیث، صاحبِ طرز ادیب تھے۔ ۲۰۰۸ میں آپ کی وفات ہوئی۔ درج ذیل تعزیتی مضمون آپ نے اپنی باوفا اہلیہ مرحومہ کی وفات پر لکھا تھا جو قاریات ''خواتین کا اسلام'' کی نذر کیا جا رہا ہے!

بجنور میں میری ہمشیر کی شادی ہوئی تھی اور یہ میری اہلیہ میرے بہنوئی کی حقیقی بھتیجی تھی۔ بہن کی وجہ سے بجنور آمد و رفت رہتی۔ ایک دن خواتین کی جانب سے بیان کا مطالبہ ہوا۔ بیان ہوا تو اِن کا رشتہ دیا گیا، جو طے ہو گیا۔

شادی کا بھی وقت قریب آ گیا لیکن کبھی میں اپنے مستقبل کو سوچتا تو جی چاہتا کہ صاف انکار کر دوں۔ کبھی اِس معصوم اور مسکین لڑکی کا خیال آتا تو مقتل میں اپنے پاؤں سے جانے کی ہمت پیدا ہو جاتی۔ اسی شش و پنج میں وقت گزر رہا تھا کہ بجنور سے بہن کی شدید علالت کی اطلاع آئی۔

برسات کا زمانہ تھا، والدہ مرحومہ کی بیقراری دیکھ بھاگم بھاگ جو کپڑے پہن رکھے تھے انھی میں والدہ کے ساتھ نکل گیا۔

بجنور تک دل بلیوں اچھلتا رہا کہ دیکھیے بہن کیسی ہوں؟ نا سوتی زندگی میں ملاقات ہو گی یا نہیں؟ الحمدللہ! بس اسٹینڈ پر پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ داخل اسپتال ہیں اور بعافیت ہیں۔

بجنور میں موسلا دھار بارش تھی، میں پاؤں میں پشاوری چپل پہنے ہوئے تھا، جس کی وجہ سے کیچڑ اُڑ اُڑ کر میری پشت تک پہنچا۔ پائجامہ لت پت ہو گیا، جب والدہ مرحومہ کو اپنی بیٹی کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو انھیں اپنا پرانا منصوبہ یاد آ گیا۔

غریب بچی، بیوہ کی لڑکی، نہ کوئی آگے نہ پیچھے، انھیں بروقت شادی سے کیا انکار ہوتا، چنانچہ قبل عصر میں سو کر اٹھا تو مجھے بتایا گیا کہ آج ہی بعد مغرب میرا نکاح ہے، نہ صرف نکاح بلکہ رخصتی بھی ہے۔

اللہ اللہ کیا شادی تھی، نہ ڈھول نہ تاشے، نہ راگ نہ باجے، نہ بارات نہ باراتی، نہ رشتے دار نہ احباب، سر پر سہرے کا کیا سوال اور گلے میں ہار کہاں سے آتے، یہاں تو دھلی ہوئی پوشاک بھی میسر نہ تھی۔ بس والدہ مرحومہ کی یہ کوشش کہ گھیر گھار کر کسی طرح آج

سنت کہانی (اوّل - دوم)

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کے حصول کے لیے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنتِ مبارکہ بلاشبہ کامل ترین.... خوب صورت ترین.... اور آسان ترین راستہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کے لیے....
بچوں کو بچپن ہی سے پیاری.... مبارک سنتوں....
اور.... پاکیزہ طریقوں کا عادی بنانے کے لیے....

بچوں اور بچیوں کے لیے اچھوتے.... اور آسان انداز میں لکھی گئی نصیحت آموز کہانیاں.... دیدہ زیب کتابی شکل میں....

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

بیت العلم

کراچی فون: 021-32726509، موبائل: 0309-2228089
لاہور فون: 042-37112356
Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

ہی شادی کردی جائے کہ یہ قیدی کہیں جیل کی اونچی دیواروں کو پھاند کر فرار نہ ہوجائے......!

خیر مغرب کے بعد دس پانچ آدمیوں کے اجتماع میں نکاح ہوگیا۔ زندگی کا ایک بڑا فیصلہ آناً فاناً ہوگیا، گویا مستقبل کی تمام عمارت چشم زدن میں کھڑی ہوگئی۔ میں کبھی اپنے آلودہ کپڑوں کو دیکھتا، کبھی شادی کا خوش کن تصور آتا، کبھی یہ روح فرسا خیال کہ پوری زندگی برباد ہوگئی، کبھی یہ یقین کہ ضعیف والدہ کے حکم کی تعمیل کی ہے اور دینی جذبے کے تحت، اللہ تعالیٰ ضائع نہیں ہونے دے گا۔

شب کے گیارہ بجے ہیں اور اب شب عروسی وہ غریب میری بہن کے کپڑے پہنے ہوئے جو اس کے بدن کے مطابق بھی نہ تھے بیٹھی ہے۔ وہ بے چاری غربت کی ماری چھریرا بدن، دبلی پتلی جبکہ میری بہن کشمیری النسل، قوی ہیکل، نکلتا ہوا قد، بھاری بھرکم تن و توش، سو اس بے چاری غریب لڑکی پر یہ لباس ایسا محسوس ہوتا جیسا کہ بانس پر کسی نے الٹے سیدھے بے ہنگم انداز میں کمخواب و اطلس کے تھان لپیٹ دیے ہوں۔

اِدھر میرے تن پر بھی غلیظ کپڑے، بے قرینہ پوشاک، بہرحال رات جوں توں گزر گئی، سو یہ تھی ہماری شبِ زفاف اور یہ تھی میری بے مزہ شادی......!

والدہ مرحومہ صورتحال کو بھانپ گئیں اور اب ان کی کوشش یہ تھی کہ وہ ہر طرح اس مرحومہ کی خوبیاں میرے ذہن نشین کردیں۔ میری سردمہری سے جو مرحومہ کو غم ہوتا تو اُس کی دل جوئی میں لگ جاتیں۔ مجھے افسردہ پاتیں تو مجھے خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔ خوب یاد ہے کہ جب ہم بجنور سے دس پانچ دن کے بعد چلے تو ایک سیٹ پر والدہ، بیچ میں مرحومہ، کنارے میں، پھر میں بیٹھا تھا۔ والدہ مرحومہ اُس سے بولیں کہ اب بجنور چھوٹ رہا ہے، اپنے وطن کی سڑکیں اور باغات دیکھ لے۔ کبھی دو چار جملے خوش کن مجھ سے کہتیں، مگر یہاں ایسی ٹھنڈک تھی جس میں حرارت پیدا ہونے کا کوئی سوال نہ تھا۔ اس غریب کو کوئی گھر لے جانے والا بھی نہ تھا۔ اس کا صرف ایک بھائی تھا جس نے بڑی جدوجہد کے بعد چار پانچ بیگہ زمین حاصل کی تھی تو زمیندارانہ رقابتوں نے اسے جہاں آباد میں بہنے والی گنگا ہی میں ڈبو دیا۔ بیوہ ماں اور دو بہنیں کیا کرتیں، رو پیٹ کر صبر کر بیٹھیں۔

خیر اب ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا تو وہ سراپائے وفا، میں مجسم بے مہری و بے وفائی، اس کی جانب سے بھرپور خدمت، میری جانب سے کنارہ کشی۔ اُس میں حیا کا اس قدر مادہ کہ کبھی کسی کے سامنے میری چار پائی پر نہیں بیٹھی اور نہ کسی کی موجودگی میں کبھی مجھ سے بات کی۔ کبھی کبھی تخلیہ میں مجھ سے پوچھ لیا کرتی تھی کہ کیا آپ کو مجھ سے تعلق نہیں؟ اس کا

واپس آؤ!

خالد محمود

اردو پیرہن: نجمہ ثاقب

اے میرے غزہ کے نٹ کھٹ
آفت کے پرکالے بچو!
واپس آؤ
تم جو اپنی آوازوں کے
شور سے روشندان، دریچے
در پہ حشر اٹھا جاتے تھے
تن میرا سلگا جاتے تھے
واپس آؤ
صبح کے اُجلے پیڑ کو اپنی
کھٹی میٹھی چہکاروں سے
مٹی، آب، ہوا دیتے تھے
واپس آؤ
گلدانوں کو پھوڑ کے تم جو
میری بالکنی کا تازہ،
تنہا پھول اڑا لیتے تھے
واپس آؤ
آؤ میری صبح کا ہونا
اک بے ہنگم شور سے بھردو
روشندان کے شیشے توڑو
گلدانوں کے پیندے پھوڑو
سارے پھول اٹھا لے جاؤ
نیند میں میری، سیندھ لگاؤ
لیکن میرے پیارے بچو!
آفت کے پرکالے بچو!
ایک دفعہ تو گھر کو لوٹو
ایک دفعہ تو واپس آؤ

☆☆☆

جواب میں صرف ٹالنے کی حد تک دیتا۔

بیس سال کے قریب اس سے رفاقت رہی۔ بچے پیدا ہوئے، گھر بھی بنا، اثاثۃ البیت بھی ہوا اور اس غریب کی برکات کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی۔ جس کے یہاں سے مجھے شادی کا ایک جوڑا تو کیا نصیب ہوتا اس کے گھر پر ایک وقت کا کھانا بھی نہیں کھایا، پھر الحمدللہ میں نے دوسرے غریبوں کو جوڑے پر جوڑے دیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے گھر بھی متوسط درجے کا بن گیا اور ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہ رہی، جو درمیانے درجے کے گھرانے میں مطلوب ہو اور میرے پاس موجود نہ ہو!

وہ میری آنکھ بھی بدلے ہوئے دیکھتی تو سہم جاتی۔ بچوں پر میں بگڑتا تو وہ سب بچوں کو لے کر ایک کمرے میں چھپ جاتی۔ غرضیکہ اس نے شرافت و انسانیت میں ایک باوفا بیوی کی حیثیت سے مہر و وفا کا ہر ہر جگہ مظاہرہ کیا۔

چند سال پہلے رات کو میں عشاء کی نماز کے لیے وضو کررہا تھا، بچے سب سوگئے تھے تو وہ مجھے اچانک اپنا ایک بھیانک خواب سنانے لگی۔ خواب یہ تھا: ”ہمارے گھر میں آگ لگی اور پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا......!“

میں اس خواب کو سن کر سہم گیا۔ تعبیر واضح تھی لیکن میں نے تعبیر نہیں بیان کی۔ وہ میری خاموشی سے گھبرائی اور بار بار سوال کرتی رہی تو میں نے ٹالنے کے لیے کہا کہ کچھ نہیں بس ریاح کا غلبہ ہے مگر میرے سکوت سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔

یہ شبِ جمعرات تھی۔ جمعرات کو میں میرٹھ ایک جلسے میں شرکت کے لیے چلا گیا۔ جمعے کو واپس ہوا۔ پانچ چھے روز پہلے اس کے ہاں ولادت ہوئی تھی اور وہ زچگی میں تھی۔ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو بڑی بچی عائشہ جس کی عمر اس وقت سات آٹھ سال کی تھی، زار و قطار روتی ہوئی ملی اور پوچھنے پر بتایا کہ امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔

میں سیدھا کمرے میں اس کی چار پائی کے پاس پہنچا تو اس پر غشی کی کیفیت تھی۔ دماغی سرسام کا شدید حملہ تھا۔ میں نے قریب جا کر اسے آواز دی تو عجیب بات ہے کہ اس نے آواز کا ادراک کرلیا اور اپنے بے چین ہاتھ سے اپنے دماغ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بتارہی تھی کہ میرا دماغ معطل اور مفلوج ہے۔

اور عین اس لمحے نجانے کیا ہوا کہ بیس سال کی سردمہری کا تودۂ برف آناً فاناً پگھل گیا۔ میں اس کے لیے بے طرح تڑپ اٹھا۔

معلوم ہوا کہ بیماری سے پہلے اور میرے میرٹھ رخصت ہونے کے بعد اس نے بڑی بچی سے کسی کام کے لیے کہا تھا۔ بچپن کی نادانی کہ اس بچی نے صاف انکار کردیا تو وہ بولی کہ عائشہ اب گھر کی ذمے داری تجھے

ہی سنبھالنا ہوگی۔ یہ موت کا وہ ادراک تھا جو ہر مومن کو وقت سے پہلے ہو جاتا ہے۔

علاج و معالجے میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ بیماری کی نزاکت کی بنا پر میں نے اس کی والدہ اور بہن کو بجنور سے فوراً بلا لیا تھا بلکہ اپنی بہن اور بہنوئی کو بھی۔ ہفتہ کا دن گزر گیا تھا، شب اتوار کا آغاز تھا، میں وہیں بیٹھا ہوا عشاء کے لیے وضو کر رہا تھا جہاں بیٹھ کر اس کا بھیانک خواب سنا تھا کہ اچانک اس کے جسم میں ایک اضطرابی تشنج پیدا ہوا۔

بہن یہ دیکھ کر چلائیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

میں دوڑ کر چارپائی کے قریب پہنچا تو وہ اس دنیائے دوں کو چھوڑ چکی تھی۔

قدرِ نعمت بعد زوالِ نعمت...... میری آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔

دنیا تاریک تھی، گھر اجڑ چکا تھا، زندگی برباد ہو چکی تھی۔

پانچ بچیاں اور دو بچے وہ بطور امانت میری پاس چھوڑ کر بڑی تیزی سے راہِ آخرت پر گامزن ہوگئی۔ کسی بچے کی محبت، اپنے مخدوم شوہر کا تعلق، اپنی بیوہ ماں کی تڑپ اور اپنی بے قرار بہن کی بیتابیاں اسے سفرِ آخرت سے نہ روک سکیں۔ اسی وجہ سے میں نے ان سطور کا عنوان "بے مہر محبوبہ" رکھا ہے۔ اتوار کی صبح کو آغوشِ لحد میں اسے سلا دیا گیا جس کے ساتھ میری عافیت، میری راحت، میری خوشی، میری مسرتیں بھی گویا ہمیشہ کے لیے سو گئیں۔

پیر کے دن صبح کو بعدِ فجر میں اُس کی قبر پر پہنچا تو طلبہ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی وقت تھا کہ میں صبح گاہی تفریح سے لوٹتا اور وہ میرے لیے ناشتہ تیار کر کے بیٹھی ہوتی۔ اس وقت میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ غم و اندوہ کا جو طوفان میرے اندر تلاطم پذیر تھا وہ اچانک آنکھوں کی راہ سے اچھل پڑا۔

میں نے زار و قطار روتے ہوئے اس سے کہا کہ تُو یہاں سوتی ہے، میرے ناشتے کا کون اہتمام کرے گا؟

تُو یہاں خوابِ گراں میں مصروف ہے، تیرے بچوں کی خبر گیری کون کرے گا؟

اس کی روح نے جواب دیا، جسے میں نے صاف صاف سنا۔

خیالِ خوابِ راحت ہے علاج اِس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن میرا شانہ ہلاتا ہے

اب موت کی دیوار میرے اور اس کے درمیان حائل ہے۔ برائے نام زندہ ہوں لیکن عہد ہے کہ اس ناسوتی زندگی کے بعد جب اُس سے دوسرے عالم میں ملاقات ہوگی تو ضرور اس سے کہوں گا کہ "او بے مہر محبوبہ! تُو تو قبل از وقت ہی چلی آئی لیکن میرا معاملہ یہ ہے۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اِس عہد کو ہم وفا کر چلے

اُس کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں، جس کی احسن الجزاء اللہ رب العزت ہی دے گا مگر سب سے بڑا اُس کا احسان یہ ہے کہ جب میری والدہ مرحومہ کینسر میں مبتلا ہوئیں تو اس نے اُن کی حقیقی بیٹیوں سے بڑھ کر خدمت کی۔ جس دن صبح کو والدہ کا انتقال ہوا اُس رات میں انھوں نے مجھ سے عہد لیا کہ تیری بیوی نے میری خدمت اولاد سے زیادہ کی ہے تُو ہمیشہ اس کا خیال رکھنا۔ اب صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ حشر میں والدہ کے سوال پر وہ میری شکایت کا دفتر نہ کھولے، ورنہ تو وہی بات ہوگی۔

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

فرحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و نور اللہ مرقدھا الی یوم یبعثون

گیا کون اس جہاں سے

یادیں، ام سفیر میری

میرے والد ۲۹ رمضان المبارک بروز اتوار کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ وفات سے کچھ ماہ قبل ہی گھر والوں سے زیادہ ہنسنا بولنا کم کر دیا تھا۔ بس طویل خاموشی میں کچھ سوچتے رہتے۔ ان کی اداسی کی ایک بڑی وجہ ان کے بڑے بھائی کا دنیا سے چلے جانا تھا۔

اور ابھی تایا کو گئے سات ماہ ہی ہوئے تھے (یکم اکتوبر کو تایا رخصت ہوئے تو) یکم مئی کو میرے والد بھی بھائی اور اپنے والدین سے جا ملے۔ زندگی کے آخری ہفتے ایک بار یہ کہا کہ میرا بھائی خواب میں آیا کہ آپ قبر پر ملنے آیئے، کہنے لگے عید پر آؤں گا۔

اور واقعتاً انھوں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا کہ عید اپنے بھائی کے ساتھ ہی جا کر کی۔

ہم گیارہ بہنیں ایک بھائی ہیں۔ سات بیٹیوں کو وہ اپنے ہاتھوں سے رخصت کر چکے تھے۔ جو باقی چار بچ گئی تھیں انہی کی فکر و پریشانی تھی کہ وہ چاروں کے بھی فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

انھوں نے صرف ایک سال بیماری میں کاٹا۔ پچھلے سال رمضان میں طبیعت خراب ہوئی تھی۔ ہمیں تب خوف سا ہوا مگر اللہ کے فضل سے تندرست ہوگئے اور عید کی نماز بغیر کسی سہارے کے عیدگاہ جا کر ادا کی۔ آ کر ہم سے ملے اور ان کے ملنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ساتھ لگا کر ماتھے پر بوسہ دیا کرتے تھے۔

اس سال انھیں جگر کا مسئلہ ہوگیا۔ ۲۹ رمضان کی شب کو ان کا پیشاب پاخانہ بند ہوگیا تھا۔ اگرچہ نالی لگوا کر گھر آ گئے تھے لیکن پھر بھی بیت الخلا جانے پر اصرار کرتے اور کبھی بے بسی سے رو پڑتے کہ یہ نالی اتارو۔ بڑے بہنوئی نے کہا کہ اگر ایڈمٹ کرانا پڑا تو پھر تکلیف ہوگی۔ غرض ہفتے کی رات بڑی تکلیف میں کاٹی۔ دو تین بار بیت الخلا جاتے ہوئے چکرا کر گرے۔ ہم نے سب نے انہیں سہارا دے کر لٹایا۔ آخر صبح دس بجے ان کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ بہنوئیوں نے ایمبولینس منگوالی۔ ادھر وہ یک ٹک امی کو دیکھتے رہے پھر جوس مانگا۔ امی نے فوراً پلایا، پھر میرے بھائی کو پکارا کہ عثمان کہاں ہے؟ اس کے بعد اپنی ایک نواسی کا نام لیا جوان کی بہت لاڈلی تھی۔ اس کے بعد ان کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

ایمبولینس آگئی تو بہنوئی انھیں اسٹریچر پر لٹا کر لے گئے مگر کچھ ہی دیر بعد اطلاع آ گئی۔ اور بس وہ لمحہ قیامت تھا۔ ابو باسٹھ سال کی عمر میں داغِ مفارقت دے گئے۔

موت سے چند دن پہلے اللہ تعالیٰ سے رحم کی بہت دعا کرتے تھے۔ عالمہ ہونے کی وجہ سے میری بہت عزت کرتے تھے۔ جب انھیں بے چینی یا گھبراہٹ ہوتی تو کہتے: پتر! تو ں ہی کچھ پڑھ کر پھوک مار دے۔

دو چھوٹی بہنوں کی بات بہت مانا کرتے تھے۔ ان سے بہت محبت تھی۔ رات کو سونے سے پہلے انہی سے پیر دبوایا کرتے تھے۔ اس وقت نوک جھونک لگائے رکھتے تھے۔ کبھی ہم بیٹیوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا، بس ان کی ڈانٹ کافی ہوتی تھی ہمارے لیے۔

اللہ پاک میرے ابو جان کی مغفرت فرمائے، آمین!

امۃ الرحمٰن۔ ملتان

بنت سطور

زہریلے جملے

’’میں تو دعا کرتی ہوں کہ تمھارے لیے عاقب کا رشتہ آ جائے۔‘‘

تارہ آپی نے حاجرہ کو مخاطب کیا۔

’’سچی تمھارے تو مزے ہی آ جائیں گے، ایسا خوبصورت شاندار لڑکا، بڑا گھر، یہ لمبی گاڑی اور پھر اتنا اچھا کاروبار، تم تو راج کرو گی اُس کے ساتھ۔‘‘

تارہ آپی اس کے مستقبل کے سہانے خواب اسی کے سامنے بُن رہی تھیں۔

وہ بظاہر لاپروائی سے مگر پورے شوق سے اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

عاقب ابا کی خالہ کا بیٹا تھا۔ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا ہم عمر تھا مگر حاجرہ جانتی تھی کہ یہ بات بہت مشکل ہے۔ وہ عام سے متوسط طبقے کے لوگ تھے اور ابا کی خالہ اپر کلاس، ہائی سوسائٹی اور امیر کبیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، جن سے کبھی کبھار کسی تقریب ہی میں سامنا ہو جاتا تھا۔ خود عاقب بہت وجیہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا جبکہ وہ واجبی شکل کی ناخواندہ سی لڑکی تھی مگر پھر بھی آپی کی باتوں کی انگلی پکڑے وہ کسی پُرشوق بچی کی طرح اپنی آنکھوں میں عاقب کے خواب سجانے لگی تھی۔

☆......☆

’’ارے یہ نگینہ کا بیٹا ماشاءاللہ کتنا نیک، فرمانبردار، خوبصورت اور ذہین ہے، اچھا کمانے والا، جو بچی بھی اُس کی دلھن بنے گی، بڑے نصیبوں والی ہوگی۔‘‘

اماں اپنی نوبالغ بیٹی محبہ کی موجودگی میں پڑوسن خالہ سے محلے کے ایک لڑکے کی شان میں قصیدے پڑھے جا رہی تھیں۔ محبہ جو بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی، اس کے ذہن کے پردے پر ایک اَن دیکھے شہزادے کا تصور جمنے لگا۔

☆......☆

’’اماں! میں تو کہتی ہوں اسامہ کے لیے اب کہاں خوار ہوں گے؟ ثانیہ کے بعد میں تو کہتی ہوں، اسامہ کے لیے آمنہ کی بھی بات کر لیں۔‘‘

شمائلہ آپا نے بھائی کی موجودگی ہی میں یہ ذکر چھیڑ دیا۔

دو ماہ قبل ہی خالد بھائی جان کی منگنی ثانیہ سے ہوئی تھی جو نجمہ بیگم کی دیورانی کی بھتیجی تھی، آمنہ اس کی چھوٹی بہن تھی۔

اس بات کو سنتے ہی چھوٹی بہنوں نے آپا سے اختلاف کیا۔

’’نہیں آپا! دو ہی تو ہمارے بھائی ہیں۔ ایک ہی جگہ دونوں کی شادی نہیں کریں گے۔ یہ لوگ تو پہلے ہی جاننے والے ہیں، باہر کی دنیا بھی تو دیکھنی چاہیے ناں!‘‘

جواب میں آپا کھلکھلا کر ہنس دیں۔

’’ارے بھئی میں تو مذاق کر رہی تھی۔‘‘

انھوں نے تو شاید مذاق ہی کیا تھا، مگر اُس لمحے کے بعد سے پچیس سالہ اسامہ کی تنہائیاں ایک نامحرم کو سوچتے ہوئے گزرنے لگیں۔

☆......☆

چھے ماہ بعد عاقب امریکہ سے فرنگی میم بیاہ لے آیا تھا۔ یوں حاجرہ کے خواب کرچی کرچی ہو گئے۔ سال گزرا تو اٹھارہ سالہ حاجرہ کی بھی اپنی خالہ کے گھر شادی ہو گئی۔ خالہ کا گھرانا بھی انھی کی طرح ایک متوسط طبقے کا گھرانا تھا۔ کم عمری میں دیکھے گئے اونچے اونچے خوابوں کا نتیجہ تھا کہ اپنے میاں نعمان کی سچی محبت کے باوجود وہ اپنی زندگی سے مطمئن نہ تھی۔ نجانے کیا بات تھی کہ وہ بار بار نامحرم عاقب سے اپنے میاں کا موازنہ کرنے لگتی تھی۔

☆......☆

محبہ نے نگینہ آنٹی کے بیٹے کو اپنے خیالات کی دنیا میں آباد کر لیا تھا۔ وہ جو باہر نکلتے وقت ہمیشہ نظریں جھکائے رکھتی تھی، اب اکثر نگینہ آنٹی کے گھر کے دروازے پر اس کی نگاہ کسی کی تلاش میں اٹھ جایا کرتی تھی۔

اور پھر ایک دن اُس نے حارث کو دیکھ ہی لیا۔ اسے دیکھتے ہی جیسے ایک آگ سی اس کے سینے میں بھڑک اٹھی تھی۔ گھر آ کر اس نے فیس بک پر اسے ڈھونڈ نکالا، پھر آہستہ آہستہ ایک پلان کے تحت وہ پہلے کمنٹس میں اس سے بے تکلف ہوئی، پھر جلد ہی ان باکس کی تنہائی میں ان کی طویل طویل باتیں شروع ہو گئیں۔ آہستہ آہستہ بہت نجی تصاویر کا بھی تبادلہ ہونے لگا۔

☆......☆

یہ چند مناظر جو آپ نے پڑھے، آپ کو اکثر اپنے اردگرد نظر آتے ہوں گے۔

ہمارے بڑے ’چھوٹے پن‘ کا مظاہرہ کر کے اکثر بڑی غیر ذمے داری سے یہ زہریلے جملے اپنے بڑے ہوتے بچوں کے سامنے بول دیتے ہیں جو اُن کی پاکیزہ جوانی کے لیے سمِ قاتل ثابت ہوتے ہیں۔ کہنے والے کے لیے یہ بے پروائی سے کہے گئے چند جملے ہوتے ہیں، مگر ان کی بدولت نوجوان نسل کی نہ صرف فکری صلاحیت اور پاک تنہائیاں برباد ہو کر رہ جاتی ہیں بلکہ اکثر کی تو آئندہ زندگی بھی ان باتوں کی وجہ سے نامحرموں سے ’’خیالی عشق‘‘ کے گناہ بے لذت کی نذر ہو جاتی ہے۔

اِس لیے ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم کب، کس کے سامنے اور کیا بات بول رہے ہیں؟

یاد رکھیے خصوصاً ابتدائے جوانی میں مخالف صنف میں دلچسپی بہت زیادہ ہوتی ہے کہ ذرا سی کسی کی بھی بات سے بھی پاکیزہ قلوب کے شبستان نامحرموں کے ناپاک خیالات سے آباد ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے اوّل تو ہمیں رشتہ ہونے سے پہلے کسی نامحرم کا ایسا ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے، اگر اپنے جذبات کا اظہار کرنا ہی ہو تو اپنے بچوں کے سامنے تو ایسی فضول بات ہرگز زبان سے نہ نکالیں۔

☆☆☆

قانتہ رابعہ

تم سے کیا کہیں، جاناں!

۳

دو دن، دو ہفتے، آخر پورا مہینہ گزر گیا، ثوبیہ اُس کی طرف گئی نہ روبینہ ہی آئی۔

آخر ایک دن دل پر جبر کر کے ثوبیہ نے فون کیا تو نمبر بند ملا۔

ثوبیہ کے دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے۔ کوچنگ کلاسز کے نام پر فرسٹ ائیر کی پڑھائی شروع ہو چکی تھی مگر اُس میں سونیا نے ایڈمشن نہیں لیا تھا۔ رزلٹ میں تو آسمان ہی گر پڑا۔ سونیا صرف تین مضامین میں پاس تھی دو میں بمشکل نکلی اور دو میں تو خیر سپلی۔ سبحان کا خلاف توقع اچھا رزلٹ تھا۔ کچھ بینرز پر اس کا نام بھی بھرے شہر کی چوک میں لہرایا۔ ثوبیہ کے دل کو یہی دھڑکا لگا رہتا کہ کچھ اُن ہونی سی ہونے والی ہے۔

پھر ایک دن میکے میں قریبی رشتے دار کی فوتگی پر دونوں کی ملاقات ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ الگ الگ آئی تھیں، وگرنہ کہیں جانا ہوتا تو دونوں اکٹھے ہی پروگرام بناتی تھیں۔ دری پر بیٹھے دونوں کی رسمی سی سلام دعا ہوئی۔ بچوں کا حال احوال پوچھا۔

”میں نے کئی مرتبہ فون کیا لیکن ریسیو ہی نہیں ہوا۔“ ثوبی نے شکوہ کیا۔

”اللہ جانے! فون میں خرابی ہو گی یا سگنل کا مسئلہ بھی ہو سکتا ہے۔“

روبینہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

دونوں کی گفتگو میں فل اسٹاپ سا لگ گیا تھا۔ موضوعات ختم ہو گئے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرائیں۔ واپسی بھی دونوں کی الگ الگ ہی ہوئی، ہاں ثوبیہ کی بہن نے بتایا تھا کہ سونیا آج کل کسی اشتہار میں آ رہی ہے۔

ثوبیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔

”اوہ...... پھر؟ کیا روبینہ کو پتا ہے؟“

”ظاہر ہے پہلے سب کچھ وہ ماں سے چھپ چھپا کے کرتی تھی، اب نہ وہ ڈرتی ہے نہ دبتی ہے، علی الاعلان ہر اونگا بونگا کام کرنے لگی ہے، پڑھائی میں اتنی بری طرح سے فیل بھی تو تبھی ہوئی ہے۔“ وہ بولی۔

”اللہ ہدایت دے۔“ ثوبیہ دل پر بوجھ لیے میکے سے رخصت ہوئی۔

کچھ ہی عرصے میں محلے میں نت نئی گاڑیاں آنے لگیں۔ تانتا ہی بندھ گیا۔ ایک گاڑی آ رہی ہے، دو جا رہی ہیں۔ رات گئے گھر سے ایک دو مرتبہ شور شرابے کی آوازیں بھی آئیں، پھر پتا چلا کہ وہ لوگ اِس محلے سے رخصت ہو رہے ہیں۔ وہ تو ٹرک سامنے دیکھ کے محلے والوں کو پتا چلا کہ شور شرابا سونیا کے گھر والوں کی دھمکی کے نتیجے میں ہوا تھا۔ روبینہ نے کہا تھا کہ اگر تم اس طرح ڈراموں یا اشتہارات کے لیے گئیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ جواب میں چند منٹ کے بعد اپنا سامان اٹھائے وہ رخصت ہو گئی۔ سننے میں آیا تھا کہ کوئی فلم ساز عرصے سے اسے اپنی آنے والی فلم میں ہیروئن بنانے کے سبز باغ دکھا رہا تھا، وہ اس کے دیے فلیٹ میں منتقل ہو گئی ہے۔

شرفا کا محلہ تھا، کس منہ سے وہاں رہتے۔ اخبارات میں اب اکثر دو چار سطروں میں سونیا کا ذکر ضرور ہوتا۔ نداگل کے نام سے اُس نے اسٹیج ڈراموں میں انٹری دی تھی۔ دو تین اسٹیج ڈراموں میں شاندار رقص کے بعد اب وہ چھوٹی اسکرین پر رونق افروز تھی۔

اخبار کے صفحے پھاڑے جا سکتے ہیں، موبائل پر ڈیٹا ڈیلیٹ کیا جا سکتا ہے لیکن شہر کے چاروں کونوں میں بل بورڈز کا اشتہار...... کون آنکھیں بند کر کے گزرتا!

”ارے یہ تو...... سونیا ہے! فلاں کی بیٹی، فلاں کی پوتی۔“

فیملی تقاریب میں بھی روبینہ بہت کم جاتی۔ جانا مجبوری میں پڑ بھی جاتا تو گم سم سی بیٹھی ٹکر ٹکر دوسروں کی شکل دیکھے جاتی۔ بہت جلد سونیا کے ڈرامے اس کی شناخت بن گئے، اب وہ کچھ برانڈز کے لیے ماڈلنگ بھی کر رہی تھی۔ اخبارات میں، انسٹا گرام پر اس کے نام کی بہاریں تھیں۔ اسے لائک کرنے والوں کی تعداد دن بدن نہیں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی۔ دوسری اداکاراؤں کے لیے وہ خطرے کی گھنٹی تھی جو آئی اور چھا گئی تھی۔ محنت اس نے اپنے گھر کے بند کمرے ہی میں کی جو کرنا تھی۔ اب تو اس کا فن اس کا شوق تھا، اس کی پہچان تھا اس کا جنون تھا۔ کسی صحافی نے سوال کیا: ”کیا آپ بولی وڈ میں کام کرنا چاہیں گی؟“

”بولی وڈ؟ ارے میں تو ہولی وڈ تک پہنچ کے دکھاؤں گی، یہ میرا شوق اور مشن ہے۔“

اس نے ہاتھ لہرا کے جواب دیا۔

اس کے اسکینڈل ہر اس اداکار کے ساتھ بنے اور خوب دھڑلے سے شائع ہونے لگے تھے جس کے ساتھ بھی اس نے کام کیا۔ انٹرویوز کے لیے اس نے فی الحال سب کو انکار کیا ہوا تھا، اور تو اور پچھلے دو ہفتے سے وہ اپنے ہیرو کے ساتھ سنگاپور رہ رہی تھی۔ اس کا ایک پاؤں ماڈلنگ اور دوسرا ائیر پورٹ پر ہوتا۔ ایک عرب شیخ کی جان اس پر اٹک گئی تھی۔ اس کا ویزہ، ٹکٹ، رہائش سب اُس عرب کی طرف سے بندوبست کیا گیا۔ دبئی میں بہت سے انڈین اداکار اور اداکارائیں موجود تھیں۔ کچھ سے تو اس عرب شیخ کے خصوصی مراسم بھی تھے۔ وہ اس عرب شیخ کو سیڑھی بنا کے بہت اوپر جانا چاہتی تھی، یا شاید بہت نیچے۔

اِس بار دبئی سے پچیس دن کے بعد وہ آئی تو کامیابیوں کا لمبا چوڑا پیکیج اس کے ہاتھ میں تھا۔ نیا آئی فون، نیا ہیئر اسٹائل، نئی فلموں میں اچھے پرکشش کردار، ڈائمنڈ کا بریسلٹ۔ ہاں ایک چیز اور بھی کہ والدین کو اب شہر بھی چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ واپس والدین کے پاس آ گئی تھی۔ ڈیفنس میں کئی کنال کی فرنشڈ کوٹھی، باوردی ڈرائیور، نئی گاڑی، خانساماں۔ پاکستان کے بھی چند سرمایہ دار عرب شیخوں سے کسی طور پر کم نہ تھے۔ آج کا سوشل میڈیا تو تورا بورا کے پہاڑوں میں چھپی سوئی بھی دکھا سکتا ہے، اُس کے دن رات کہاں گزر رہے تھے کوئی ڈھکا چھپا تو نہیں تھا۔ اس کی کس کس سے کیسے تعلقات تھے، یہ کون نہیں جانتا تھا؟ دکھ کی بات ثوبیہ کے لیے یہ تھی کہ سیسہ پلائی تعلقات کی دیوار میں دراڑ کسی وجہ سے آئی؟ اس چھٹانک بھر کی سونیا کی وجہ سے جس کے سانولے رنگ اور دبلے وجود کی وجہ سے کوئی اس کے گھر میں بھی توجہ نہ دیتا تھا۔

”ارے شہر چھوڑ گئے، کسی کو بتایا نہ پوچھا۔“ وہ بار بار ہاتھ مسلتیں۔

”امی آپ کاہے کو اتنی ٹینشن لیتی ہیں، خالہ نے اگر آپ سے پوچھنا ہوتا یا بتانا ہوتا تو وہ یہاں سے جاتی ہی کیوں؟“

سبحان انھیں تسلی دیتا۔

آئے روز سونیا کوئی ٹرافی پکڑے یا کسی نہ کسی تقریب میں رقص کرتی نظر آتی۔ اُس کے نام کے ساتھ رقاصہ، اداکارہ، ماڈل کے الفاظ اس کی قدر و قیمت بتاتے۔ وہ لوگوں سے ہاتھ ملاتی، اُن کے ساتھ سیلیفیاں بناتی۔ لڑکے لڑکیاں اس سے آٹوگراف لے کر فخریہ سوشل میڈیا پر فخریہ شیئر کرتے۔

ایک محلے کی کسی شادی کی تقریب میں روبینہ پچھلے تعلقات کا قرض چکانے آئی۔ اب تو اس کے رنگ ڈھنگ بھی دیکھنے کے قابل تھے۔ سونے کی بھاری چوڑیاں، مہنگا برانڈڈ سوٹ، نیا موبائل، بیگمات کے اسٹائل میں وہ پوری شادی میں ایک طرف ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی رہی۔ ثوبیہ بھی پہنچ گئی۔ ماضی کے تعلقات کو یاد کر کے آنکھوں کا گوشہ نمکین سا ہو گیا۔

''کیسی ہو روبینہ؟'' اس نے بھیگی آواز سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں تم سناؤ، بچے کیسے ہیں؟ بھائی کیسے ہیں؟ سبحان کیا کر رہا ہے؟'' خلاف توقع اس نے کئی سوال اکٹھے کر دیے۔

''سب ٹھیک ہیں سبحان کی ٹریننگ مکمل ہو چکی ہے، اب پائلٹ بن گیا ہے ناں، چند ماہ قبل ہی سروس شروع کی ہے۔''

اس نے ممتا کی مٹھاس میں ڈوبے لہجے سے بتایا۔

''پائلٹ بن گیا ہے۔ چلو یہ تو اچھا ہوا۔ باقی بچے کیا کر رہے ہیں؟''

روبینہ نے دلچسپی لی۔

ثوبیہ نے جواب میں ایک دَم ہی سوال کر دیا، برسوں سے قابو کیا ہوا سوال، بوتل کے جن کی طرح منہ سے باہر نکل آیا۔

''روبینہ! تم تو بچیوں کے معاملے میں اتنی حساس تھیں، پھر یہ سب کیا ہے؟ آئے روز کوئی نہ کوئی تماشا لگا ہوتا ہے پریس اور سوشل میڈیا پر۔''

روبینہ کو شاید اتنی جلدی اس سوال کی توقع نہیں تھی، سنتے ہی اس کے لب بھینچ گئے۔ ماتھے پر بل شکوہ کناں نظر آئے، آنکھوں میں بیگانگی ہی بیگانگی، کچھ دیر کے توقف کے بعد کچھ بے زاری سے گویا ہوئی:

''اپنی سی ہر کوشش تو کر دیکھی۔ اب اپنے وجود کے ٹکڑے کو کوئی کاٹ کے تو نہیں پھینک سکتا ناں۔ بس اسے یہ کہا تھا کہ کسی جگہ ہمارا نام نہ لے، ہمارے خاندان کا ذکر نہ کرے، تم نے دیکھا نہیں اس نے اپنا نام ہی نہیں بدلا تعلیمی ادارے تک کا نام بدل دیا ہے۔''

ثوبیہ بس اس کو سنتی رہی۔ اس کی بات کے دس جواب دل میں کھلبلی مچا رہے تھے مگر وہ چپ رہی۔ ہاں دوسری خواتین کا معاملہ سمجھ سے بالا تھا۔ کچھ پرے بیٹھی ناک بھوں چڑھا رہی تھیں تو کچھ آ کے روبینہ کے قدموں میں گویا بچھی جا رہی تھی، پورا پروٹوکول دے رہی تھیں۔

دلھن کے اسٹیج پر آنے سے پہلے ہی روبینہ رخصت ہو گئی۔ ثوبیہ سے مل کے بھی نہ گئی، وہ یہی سمجھتی رہی کہ شاید ابھی ہال ہی میں ہے مگر یہ تو بعد میں پتا چلا وہ تو کب کی چلی گئی۔ اگلے کئی دن وہ روبینہ کی باتیں یاد کرتی رہی۔

سبحان کے دو تین رشتے آئے ہوئے تھے۔ اس کے دل میں تھا کہ سردیوں سے پہلے ہی اس کی بات کہیں نہ کہیں طے ہو جائے۔ ایسے ہی بغیر ارادے کے روبینہ کا نمبر ملایا۔ نمبر بند جا رہا تھا، پھر ملایا، نمبر بند تھا۔ کئی دن وہ اسی کوشش میں لگی رہی، سبحان ہنسا۔

’’امی! خالہ نے یا تو نمبر بدل لیا ہے یا پھر آپ کو بلاک کر دیا ہے، آپ کو پتا نہیں چلا۔‘‘

’’بلاک کر دیا؟......وہ کیوں؟‘‘ وہ تحیر سے بولیں۔

’’غیر ضروری نمبر اور غیر ضروری رابطے ہمیشہ رکھنے اور جوڑنے کے لیے تو نہیں ہوتے۔ انھوں نے بھی بلاک کر دیا ہوگا۔ اِدھر مجھے پکڑائیں اپنا موبائل میں ابھی دیکھ کے بتاتا ہوں بلاک ہوئی ہیں یا انھوں نے نمبر بدل لیا ہے۔‘‘

سبحان نے موبائل ہاتھ میں پکڑ کے دیکھا۔

’’نہیں بھئی بلاک نہیں کیا بلکہ نمبر شاید بدل لیا ہے۔‘‘ اس نے کہا۔

’’جب سے آئٹم نمبر میں حصہ لیا ہے، نمبر بدلنا تو بنتا ہے ناں۔‘‘

چھوٹی فضہ نے شوشا چھوڑا۔

’’آئٹم نمبر!......وہ کیا ہوتا ہے؟‘‘ ثوبیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

’’چھوڑیں امی! کیا فضول موضوع لے کے بیٹھ گئی ہیں آپ، کوئی اور بات کریں۔‘‘

سبحان نے سخت بے زاری سے کہا۔

جاری ہے

ذرا مشکل نہیں!

بنت مولوی شبیر احمد

وہ ذوالحجہ 1440 ھجری کی آخری تاریخ تھی، میں نے سوچا کہ کل سے نیا سال شروع ہو رہا ہے۔ کیوں نہ نئے سال میں کچھ نیا کیا جائے......!

اس خیال کے ذہن میں آتے ہی میں نے اپنا احتساب شروع کر دیا۔ میں نے طے کیا کہ سال کے پہلے دن سے خود پر نگرانی رکھنی ہے کہ میں مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولوں۔

جھوٹ چھوڑنے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ سب برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے، سو سب سے پہلے اس کو چھوڑا جائے۔ میں نے یہ بھی سنا تھا کہ جوانی میں توبہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں، تب میری عمر بھی 17 سال تھی مجھے خوشی تھی کہ اللہ نے مجھے برائی چھوڑنے کی توفیق دی۔

☆......☆

سال کے پہلے دن کے سورج کی کرنیں زمین پر پڑنے کو بے تاب تھیں مجھے یاد آ گیا کہ مجھے آج خود کی نگرانی کرنی ہے۔ میرا وقت شروع ہو چکا تھا۔ آپ یقین کریں قارئین......! یہ پہلا دن تھوڑا مشکل بھی تھا اور شرمندہ کر دینے والا بھی......!

مجھے کئی بار اپنی زبان کو دانتوں کے نیچے دبانا پڑا۔ کئی بار جب ایسا ہوا تو میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ میں ایک دن میں، مذاق میں اتنے جھوٹ بولا کرتی تھی۔ واللہ! رات کو جب میں بستر پر لیٹی تو ایک سکون سا میں نے خود میں اترتا محسوس کیا۔ مجھے بہت اچھا لگا کہ میں نے ایک دن جھوٹ بولے بغیر گزارا۔ کسی جگہ منطق سے کام چلایا اور کئی جگہ راستہ بدلنا پڑا کہ اگر یہاں کھڑی رہی تو جھوٹ بولنا پڑے گا۔

اسی رات اللہ سے باتیں کرتے ہوئے میں نے خود سے عہد کیا کہ کل پھر خود کی نگرانی کرنی ہے پھر یہ عادت بن گئی تو اس نگرانی کے کام میں لطف آنے لگا، عبادت میں سرور بڑھنے لگا اور یقین کریں میری دعائیں بہت جلد قبول ہونے لگیں۔ میں اس بات پر حیران ہوتی تھی، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول میری نظر سے گزرا جس کا مفہوم ہے کہ ’’جس زبان سے جھوٹ نکلنا بند ہو جائے اللہ اس زبان کی دعا رد نہیں کرتا۔‘‘

☆......☆

پھر میں نے صلوٰۃ توبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ’پکی والی توبہ‘ کی۔ اس توبہ سے میرا اخلاق بھی خود بخود اچھا ہو گیا۔ میرا دل نرم ہو گیا۔ میں نماز پڑھ کر دعا کے لیے سجدے میں سر رکھتی تو آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔ کتنی ہی دیر تک روتی رہتی، معافی مانگتی!

میری اس تبدیلی میں میرے گھر کے دینی ماحول، بھائیوں کے بتائے گئے واقعات اور ’خواتین کا اسلام‘ میں پڑھی جانے والی تحریروں کا کمال ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی توفیق دی۔

اکثر بہن بھائی ایک دوسرے کو کسی بات پر تنگ کرتے، اصل بات چھپاتے تو ان میں سے ہی کوئی بول پڑتا کہ اس سے پوچھ لو کہ یہ تو جھوٹ نہیں بولتی۔ میرے گھر والے میری بات پر اعتبار کرنے لگے تھے۔

اور آج پانچ سال ہو گئے ہیں مجھے توبہ کیے ہوئے، الحمدللہ میں اپنی توبہ پر قائم ہوں اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہوں گی۔ بشر ہونے کے ناتے کبھی کبھار غلطی ہو بھی جاتی ہے، پھر سے توبہ کر لیتی ہوں۔

آپ کو بتانے کا مقصد فقط ترغیب ہے کہ ایک بار ہمت تو کر کے دیکھیں، کوئی بھی گناہ چھوڑنا مشکل نہیں ہے، بس نیت خالص ہونی چاہیے، اس کے بعد بھی اپنے ان رسائل کی برکت سے کئی گناہوں سے پکی والی توبہ کی، اگر وہ سب لکھنے بیٹھوں تو ایک چھوٹا موٹا ناولٹ تو بن ہی جائے!

توبہ کرنے سے میرا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوا ہے۔ تمام لکھاری بہنوں کا شکریہ جنھوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کی زیادہ اچھی بندی بننے میں مدد دی، میرا باطن نکھارا۔

☆☆☆

خواتین اسلام کی قرآنی صفات

قرآن مجید کے بائیسویں پارے سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں کہ وہ کیسی ہوتی ہیں؟ ان کا کردار، گفتار، طرز زندگی اور چال چلن کیسا ہوتا ہے؟

فرمایا کہ وہ مسلمات ہیں، مومنات ہیں، قانتات ہیں، صادقات ہیں، صابرات وخاشعات ہیں، متصدقات ہیں، صائمات ہیں، حافظات ہیں، ذاکرات ہیں۔

ان تمام صفات کو بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری طرف سے ان کے لیے بڑی مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ آیئے ذرا ان صفات کو تفصیل سے دیکھتے ہیں کہ مسلمات ومؤمنات اور خاشعات وصابرات کہتے کن خواتین کو ہیں......؟

مسلمات: وہ اللہ کی بندیاں جنھوں نے قرآن کے الٰہی احکام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو بہ دل وجان قبول کرلیا ہے۔ جن کے ظاہری وجود سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جو اسلامی ضابطے اور شرعی قواعد کے خلاف ہو۔ اسوۂ رسول ہر وقت ان کے پیش نظر رہتا ہے۔

مؤمنات: صرف ان کا سراپا دینی احکام کے مطابق نہیں ڈھل گیا بلکہ دل سے بھی یہی سمجھتی ہیں کہ اللہ کے دیے ہوئے احکام ہی سچ اور حق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ ہی صحیح ہے، ان کے دلوں میں اس بات کا یقین راسخ ہوچکا ہے کہ رسول اللہ نے ہدایت کا جو راستہ بتایا اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہدایت کا نہیں ہوسکتا۔ جو اس بات پر راضی ہوچکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان کی پروردگار ہے، اسلام ہی سچا دین ہے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نبی ورسول ہیں۔

قانتات: مطیع وفرماں بردار ہیں، دین کے احکام کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دیتی ہیں، وہ یہ کہہ کر بس نہیں کر جاتیں کہ اسلام سچا دین ہے بلکہ دین کے تقاضوں کو عملی جامہ بھی پہناتی ہیں۔

صادقات: گفتار وکردار میں کھری ہیں، جھوٹ، دغا، فریب، بدنیتی جیسے اوصافِ بد اُن میں نہیں پائے جاتے۔ ان کی زبان وہی بولتی ہے جس کی اجازت دین اسلام نے دی ہے اور جس پر اُن کا ضمیر مطمئن ہے۔ ان کا ہر عمل اسلامی کردار کے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے۔

صابرات: خدا ورسول کے بتائے ہوئے احکام پر پوری استقامت کے ساتھ ڈٹی رہتی ہیں اور اس راہ میں جو بھی رکاوٹیں، تکلیفیں، ایذائیں پیش آتی ہیں انہیں نہایت صبر وسکون اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتی ہیں۔ کوئی لالچ، نفس کی کوئی خواہش یا کسی ظالم کا خوف انہیں اللہ رب العزت کے دین پر عمل پیرا ہونے سے روک نہیں سکتا۔

خاشعات: عجز وانکسار ان کا شیوہ ہوتا ہے، فخر وغرور اور تکبر سے کوسوں دور ہوتی ہیں۔ انھیں اس حقیقت کا مکمل شعور ہوتا ہے کہ وہ ایک اللہ تعالیٰ کی بندی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتی ہیں۔ ان کے دل ودماغ اور جسم وجان اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا خوف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ان پر غالب رہتی ہے۔

نمازوں اور دیگر دینی اعمال میں خاص طور پر ایسی ہی عاجزی کا اہتمام کرتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑی ہوتی ہیں تو باقی دنیا سے مکمل لاتعلق ہوجاتی ہیں۔ ان کا کامل دھیان محض اور محض اپنے پالن ہار کی طرف ہوتا ہے۔

متصدقات: صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتی رہتی ہیں۔ اپنے مال کو کھلے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتی ہیں، غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور بے آسرا لوگوں کی اپنے مال کے ذریعے خبرگیری کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے مال کی ضرورت پیش آجائے تو کبھی بخل سے کام نہیں لیتی ہیں۔

صائمات: روزوں کی کثرت کرتی ہیں۔ فرض روزے تو بالکل نہیں چھوڑتی لیکن نفلی روزوں کا بھی خوب اہتمام کرتی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ سے زیادہ نصیب ہوسکے۔

حافظات: اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والیاں ہیں۔ زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکتی ہیں۔ اس کا ایک اور مطلب یہ ہے کہ وہ عریانی اور فحش لباس سے بھی اجتناب کرتی ہیں۔ اپنے آپ کو خوب چھپا کر رکھتی ہیں۔

ذاکرات: اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والی ہیں۔ زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی انداز میں ان کی زبان پر اللہ رب العزت کا نام آتا رہتا ہے۔ وہ سو کر اٹھتی ہیں تو اللہ میاں کو یاد کرتی ہیں، کھانا پکاتی ہیں تو اللہ میاں کا یاد کرکے، آٹا گوندھتی ہیں تو اللہ پاک کو یاد کرکے، کام کاج سے فارغ ہوتی ہیں تو اللہ پاک کی حمد بیان کرتی اور اس کا شکر ادا کرتی ہیں۔ ہر آن، ہر دم اللہ ہی کو مدد کے لیے پکارتی، اسی کی پناہ مانگتی اور اسی کی رحمت کی طلب گار رہتی ہیں۔

یہ ہیں مومن عورتوں کی صفات......!

اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

اعد اللہ لھم مغفرۃ واجراً عظیماً!

ایسی ہی عورتوں کے لیے اللہ نے مغفرت کا وعدہ اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہی اوصاف والی بندیوں کی قدر وقیمت ہے، جو عورت ان اوصاف کی حامل ہوگی یقیناً وہ جنتی ہے۔

اب یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ میں اور ان قرآنی صفات کے مابین کس حد تک مطابقت ہے؟

کیا یہ مطابقت سو فیصد ہے یا اسی فیصد یا پچاس فیصد؟

سو فیصد مطابقت ہے پھر تو سبحان اللہ، یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ اللہ کی محبوب بندی ہیں۔

اسی فیصد مطابقت ہے تو بھی غنیمت ہے لیکن اگر مطابقت کا گراف نیچے پہنچتے پہنچتے پچاس فیصد تک رہ گیا ہے تو مقام فکر ہے، اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور انھیں مکمل طور پر انہی صفات کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، آمین۔

اُمّ بریرہ

☆☆☆

ADMISSION OPEN

Himaya For Orphans
KHADIJA-TUL-KUBRA WELFARE TRUST

خدیجۃ الکبریٰ ویلفیئر ٹرسٹ

دارِ خدیجہ
ORPHANAGE

یتیم بچوں کیلئے فی سبیل اللہ عمدہ رہائشی سہولیات

معیاری دینی وعصری تعلیم اور اخلاقی تربیت

داخلے جاری ہیں

شرائطِ داخلہ

- بچہ یتیم ہو
- انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو
- عمر 6 سے 10 سال
- کراچی وصوبہ سندھ کے رہائشی ہوں

خصوصیات

- معیاری رہائش، صاف لباس اور طبی سہولیات
- حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق غذا
- معیاری دینی اور عصری تعلیم
- کمپیوٹر لیب اور لائبریری
- پرہیزگار زندگی کے لیے "تربیہ اور تزکیہ" کا ماحول
- کھیلوں کے مواقع اور صحت افزا سرگرمیاں
- خود کفیل بننے کے لیے کارآمد ہنر

ضروری کاغذات

- بچے کا ب فارم
- بچے کی دو عدد تصاویر
- والد اور والدہ کے شناختی کارڈ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ

داخلہ صرف میرٹ کی بنیاد پر ہوگا (ان شاء اللہ)

رجسٹریشن کے لیے درج ذیل لنک پر کلک کر کے فارم پُر کریں

https://tinyurl.com/KhadijaOrphanage

یا

واٹس اپ کر کے فارم حاصل کریں!

0305-3341808

KHADIJA TUL KUBRA WELFARE TRUST WWW.KKWT.ORG